© rasailojaraid.com

بحث ونظر

قرآنِ مُبین کے بعض اسالیب

(مولانا فراہیؒ کے افکار کا مطالعہ)

عبید اللہ فہد فلاحی

اعجاز کلام کے لئے جس طرح رعنائیٔ خیال اور بلندیٔ مضمون ضروری ہے۔ اسی طرح دلکش اور موثر اسلوب اور حسین وجمیل طرز بیان بھی لازمی ہے، بلکہ بسا اوقات بلند اور نادر مضامین بھی بھونڈے اور فرسودہ پیرایۂ بیان کی وجہ سے اپنی تاثیر کھو دیتے ہیں اس کے برعکس بعض پامال اور معمولی باتیں بھی اپنی جادو بیانی اور جدتِ ادا کی وجہ سے معجزنما بن جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ حمید الدین فراہیؒ کلام کے معجزہ ہونے کے لیے اس میں ہدایت وحکمت کے ساتھ کمالِ بلاغت، حسن الفاظ اور موثر فصاحت کو ضروری قرار دیتے ہیں[1]۔ قرآنِ پاک جو عربی ادب کا بے بدل اور لازوال نمونہ ہے اس کا سب سے بڑا اعجاز یہ ہے کہ بلند معانی اور الہامی تعلیمات کے ساتھ اس نے وہ اسلوب بیان اختیار کیا جس کی نظیر پیش کرنے سے اہل عرب عاجز رہ گئے۔

قرآن سے پہلے عربوں کے یہاں یا تو شعر تھا یا پھر نثر میں کاہنوں کے اقوال تھے جن میں لفظی صنّاعی نمایاں ہوتی تھی۔ اثر یا تو شعر کا مسلم تھا یا جادو کا۔ معانی کے لحاظ سے کاہنوں کے اقوال بالکل ہی کھوکھلے اور اشعار تعقل وتدبر سے عاری ہوتے تھے۔ جب قرآن سامنے آیا تو سب حیران رہ گئے کہ اس کو کس صنف میں داخل کیا جائے۔ ناقابل انکار تاثیر کا خیال کرتے تو اس کو شعر[2] یا سحر[3] کے خانے میں رکھ دیتے حالانکہ قرآن کا شعر یا سحر نہ ہونا ایک بدیہی بات تھی۔ نثر کی ظاہری شکل پر نظر جاتی

---

[1] فراہی حمید الدین: القائد الی عیون العقائد ص: ۱۷۷، ۱۸۰ [2] یٰس: ۶۹ "ہم نے اس کو شعر نہیں سکھایا ہے نہ یہ اس کے کرنے کا کام ہے"۔ نیز شعراء ۲۲۴، ۲۲۵۔ طور ۲۹ تا ۳۲

[3] مدثر: ۲۴ "آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آرہا ہے"۔ (قرآن)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو قولِ کاہن کے علاوہ اور کوئی دوسری صنف ہی نہ تھی۔ اگر کبھی معنیٰ و مطلب کی طرف نظر گئی تو انھیں قرآن میں "اساطیر الاولین" کے سوا اور کچھ لحاظ کے قابل ہی نہ ملا۔ دراصل قرآن کی بلندی یہ تھی کہ اس نے پہلی مرتبہ انسان کو غور و فکر پر اکسایا اور اپنی اور کائنات کی حقیقت معلوم کرنے پر ابھارا۔ پھر اس نے اپنی بات کو پیش کرنے کے لیے جو وسیلہ اختیار کیا اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ تو بحر ہے نہ وزن ہے اور نہ قافیہ کا التزام۔ وہ سجع کے اس بوجھ سے بھی آزاد ہے جو کاہنوں کے کلام میں پایا جاتا ہے۔ وہ اپنے سادہ اسلوب میں دل میں اتر جانے والی تاثیر رکھتا ہے۔ قرآن کا قالب نثری ہے جو چھوٹے چھوٹے گٹھے ہوئے جملوں پر مشتمل ہے۔ ایسے جملے کہ ان کو ملا کر پڑھتے وقت وہ نغمہ اور صوت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی نظیر معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے نظم و ترتیب اور اجمال و تفصیل کا وہ بہترین نمونہ پیش کیا کہ اہل عرب دنگ رہ گئے ہیں[۴]

دورِ جدید کے مشہور صاحب قلم اور مفسر سید قطب شہید قرآن کے اعجاز پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

> "قرآن کی جادوگری شریعت کے قوانین، اخبار غیوب اور علوم کائنات سے ہٹ کر خود اس کی ترتیب و مناسبت اور نظم میں ہے نہ کہ صرف زیر بحث موضوع میں۔ یہ الگ بات ہے کہ خود عقیدۂ اسلامی کی طبیعت میں قوت اور جاذبیت موجود ہے"[۵]

ایک دوسرے مایہ ناز مصنف علامہ عبدالکریم الخطیب بھی اعجاز قرآن کو اس کے اسالیب کے اندر محصور مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جو شخص بھی عربی زبان کا سمجھنے والا ہوگا، کلام کی خوبصورتی اور اس کی رعنائی سے واقفیت رکھتا ہوگا وہ قرآنِ پاک کے معجز نما کلام اور اس کی آیات کی اثر انگیزی کو بخوبی محسوس کرے گا[۶]

علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی نے وجوہ اعجاز کے سلسلے میں ایک قول نقل

---

[۴] سید محمد یوسف: قرآن کا ادبی اسلوب، سیارہ ڈائجسٹ لاہور کا قرآن نمبر حصہ دوم [۵] الشہید سید قطب: التصویر الفنی فی القرآن ص ۲۳ [۶] الخطیب عبدالکریم: اعجاز القرآن ص ۱۲۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا ہے جس سے ہماری بات کی بخوبی تائید ہوتی ہے وہ یہ کہ :-

انما عجزوا عن نظم مثل نظمہ	"اہل عرب قرآن جیسا نظم و ترتیب
فانّ انواع کلامھم کانت	پیش کرنے سے عاجز رہ گئے ۔ ان کا
منحصرۃ فی الاسجاع والاشعار	ادبی ذخیرہ کلام کی تین قسموں تک محدود تھا،
والاراجیز فجاء نظم التنزیل	مسجع عبارتیں، اشعار اور رجزیہ قصائد لیکن
علی اسلوب بدیع لا یشبہ	قرآن نے نظم و ترتیب کا ایسا منفرد اسلوب
شیئا من تلک الانواع فقصرت	پیش کیا جو ان انواع سے ذرا بھی مشابہت نہ
ایدی بلاغتھم عن بلوغ	رکھتا تھا چنانچہ ماہرین بلاغت کے ہاتھ قرآن
ادنیٰ رتبۃ من مراتب نظمہٖ	کے ادنیٰ ترین درجۂ نظم تک پہونچنے سے عاجز رہ گئے۔"

معلوم ہوا کہ قرآن کی اصل عظمت اور بلندی اس کے منفرد اسلوب اور نادر طرز بیان میں ہے، ان اسالیب کا مطالعہ کئے بغیر ہم قرآن کی روح تک نہیں پہونچ سکتے۔ اس لئے قرآن کے بلند پایہ اور اعلیٰ مقام کو سمجھنے کے لیے اس کے اسالیب کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس مضمون میں قرآن کے چند اسالیب سے مختصر بحث کی گئی ہے۔ تفصیل کے لیے خود قرآن پاک کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

١۔ عود علی البدء

یہ قرآن پاک کا ایک اہم اسلوب ہے۔ یعنی کلام کا آغاز جس چیز سے ہوا ہو اسی پر کلام کا خاتمہ بھی کرنا تاکہ اس مضمون کی افادیت و اہمیت دلوں پر نقش ہو جائے اور سامع اسے فراموش نہ کر سکے۔ بیچ میں کسی خاص مناسبت اور تقریب سے کچھ مزید چیزیں یا ذیلی بحثیں بھی آجاتی ہیں جن پر بقدر ضرورت روشنی ڈال دی جاتی ہے پھر اصل مقصود کی طرف رجوع کر کے پوری گفتگو سمیٹ دی جاتی ہے۔

ﷺ فیروز آبادی، مجد الدین محمد بن یعقوب: بصائر ذوی التمییز فی لطائف الکتاب العزیز، الجزء الاول ص: ٦٨

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورہ مومنون کی ابتدائی آیات میں مومنین کی صفات گنائی گئی ہیں اور اس کی ابتداء نماز سے کی گئی ہے۔ فرمایا گیا:۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (مومنون ۱، ۲)

یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں۔

درمیان میں مختلف صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں پھر اسی صفت کا اعادہ کیا گیا: "اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں" (۹)

مقصد نماز کو نیکیوں کا منبع اور ان کا محافظ ثابت کرنا ہے۔ اس امر پر زور دینا ہے کہ نماز ہی سے نیکی کی شروعات ہوتی ہے اور نماز ہی سے ان کی حفاظت بھی ہوتی ہے۔ اسی مضمون کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں اس طرح زور دے کر فرمایا ہے:

لَا خَیْرَ فِیْ دِیْنٍ بِلَا صَلوٰةٍ ؎

یعنی جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

سورہ بنی اسرائیل کے تیسرے اور چوتھے رکوع کا مطالعہ کیجئے جن میں دین کی بنیادی اخلاقیات بیان ہوئی ہیں۔ ان میں والدین کے حقوق، رشتہ داروں اور مسکینوں کے حقوق، کنجوسی اور فضول خرچی سے اجتناب، قتلِ اولاد کی ممانعت، زنا، قتل، یتیموں کا مال کھانا، ناپ تول میں کمی کرنا، زمین پر تکبر اور اکڑفوں کی چال چلنا ان سب سے روکا گیا ہے لیکن ان سارے اوامر و نواہی کی ابتداء توحید سے ہوئی ہے اور سب سے پہلے توحید پر زور دیا جاتا اور شرک سے روکا جاتا ہے:۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا (بنی اسرائیل: ۲۲)

"تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار بیٹھا رہ جائیگا۔"

؎ یہ بات حضورؐ نے اس وقت کہی تھی جب وفد ثقیف نے آپؐ سے نمازوں کی معافی کی درخواست کی تھی۔

محمد الغزالی: فقہ السیرۃ ص ۶۲۶ سنہ ۹ ہجری ۔ ابوداؤد ۲/۲۴۲ ۔ ابن ہشام ۲/ ۳۲۶، ۳۲۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس اخلاقی درس کی انتہا بھی شرک سے اجتناب کی اسی تعلیم پر ہوتی ہے۔ اس ٹکڑے کے آخر میں فرمایا جاتا ہے:

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ	اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بنا
فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا	بیٹھ ورنہ تو جہنم میں ڈال دیا جائے گا ملامت
مَّدْحُوْرًا ○ (بنی اسرائیل: ۳۹)	زدہ اور راندہ ہو کر۔

یہاں یہ حقیقت ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ ان تمام بھلائیوں سے وابستگی اور ان تمام حقوق کی ادائیگی توحید ہی سے ممکن ہے۔ جو شخص توحید کی اس تعلیم پر قائم رہے گا وہی ان تمام حقوق کو ادا کر سکتا اور ان اخلاقیات کا پابند رہ سکتا ہے۔ اسی سے ان فضائل کی ابتدا اور اسی پر ان کی انتہا بھی ہوتی ہے۔

سورہ ممتحنہ کی پہلی ہی آیت میں دشمنوں سے ترک موالات کا حکم دیا گیا ہے۔ فرمایا:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لیے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کے ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں۔" (ممتحنہ: ۱)

آخر میں اسی مضمون پر سورہ کا اختتام کیا گیا ہے۔ فرمایا:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جن پر اللہ نے غضب فرمایا ہے، جو آخرت سے اسی طرح مایوس ہیں جس طرح کفار قبر والوں سے۔" (ممتحنہ: ۱۳)

گویا اس سورہ کا مرکزی مضمون دشمنوں سے ترک موالات ہے۔

اس اسلوب کی متعدد مثالیں سورہ بقرہ میں بھی موجود ہیں۔ آیت ۴۰ میں بنی اسرائیل کو خدا کے احسانات جو ان پر کئے گئے ہیں، یاد دلائے گئے ہیں پھر آگے آیت ۴۷ میں اسی مضمون کو دہرایا گیا ہے تاکہ ملامت کے انداز میں یہ دعوت کارگر ثابت ہو اور ان کا جمود ٹوٹ سکے۔

اسی طرح اسی سورہ کی آیت ۱۵۲ میں نماز اور صبر سے مدد حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور پھر اس باب کا خاتمہ اسی حکم پر کیا گیا، اور فرمایا گیا:

"اپنی نمازوں کی نگہداشت رکھو خاص طور سے صلوٰۃ وسطیٰ کی۔ اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جس طرح فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں، بدامنی کی حالت ہو تو خواہ پیدل خواہ سوار جس طرح ممکن ہو نماز پڑھو اور جب امن میسر آجائے تو اللہ کو اس طریقے سے یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھا دیا ہے جس سے تم پہلے ناواقف تھے۔" (البقرہ: ۲۲۸، ۲۲۹)

۲۔ علیٰ سبیل المشاکلہ

عربی ادب کا ایک عام اسلوب یہ ہے کہ کبھی کبھی بعض الفاظ محض مجانست اور صوتی ہم آہنگی کی وجہ سے استعمال ہو جاتے ہیں۔ ان کا مفہوم ان کے لغوی معنیٰ کے لحاظ سے نہیں بلکہ موقع و محل سے متعین ہوتا ہے مثال کے طور پر حماسی شاعر کہتا ہے ؎

وَلم یبقَ سِوی العدوان دِنّا ھم کما دانوا

(اور ظلم کا بدلہ دینے کے سوا کوئی راہ باقی نہ رہی۔ ہم نے انھیں بدلہ دیا جس طرح انھوں نے ہمارے ساتھ سلوک کیا۔)

یہاں دَانوا اپنے لغوی مفہوم (انھوں نے بدلہ دیا) میں نہیں بلکہ فَعلُوا یا ظَلمُوا کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ اس لئے کہ دشمن نے حملہ میں پہل کی تھی اور اس صورت میں دشمن کے لیے بدلہ دینے کا مفہوم بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔

یہ اسلوب قرآن پاک میں بہت مستعمل ہے۔ سورہ ہود میں فرمایا:۔

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ (ہود: ۳۸)

(نبی نے کہا اگر تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو ہم بھی کل تم پر ہنسیں گے جس طرح تم آج ہنس رہے ہو)

یہاں یہ مراد نہیں ہے کہ ہم بھی اسی طرح تم پر پھبتیاں چست کریں گے جس طرح کہ تم پھبتیاں چست کر رہے ہو کیونکہ پھبتی چست کرنے اور مذاق اڑانے کی قرآن میں عام ممانعت کی گئی ہے[۹] اور

۹؎ سورہ حجرات: ۱۱ "اے لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں ہو سکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنی تو اس طرح کی سطحی حرکتوں سے بہت بلند ہوتا ہے ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آج جس طرح ہمارا یہ فعل تمہاری نگاہوں میں سامانِ مضحکہ ہے اسی طرح کل تمہارا انجام ہمارے لیے موجب ازدیادِ ایمان واطمینان ہوگا۔ آج تم ہنس رہے ہو کل تم روؤ گے اور ہم نصرتِ الٰہی کے ظہور پر مسرور ہوں گے اور اپنے رب کے شکر گزار ہوں گے ۔

یہاں فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ (ہم بھی تم پر کل ہنسیں گے) محض صوتی ہم آہنگی کے لیے اور بر سبیل مشاکلت استعمال ہوا ہے ورنہ کسی کی مصیبت اور رسوائی پر ہنسنا لائق تحسین نہیں ہے۔

اس اسلوب کی دوسری مثال سورہ بقرہ میں ہے۔ فرمایا:۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا	اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا
عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ○ (بقرہ: ۱۹۳)	کسی پر ظلم جائز نہیں ہے۔

یہاں لفظ عُدْوَان ظلم و زیادتی کے معنی میں نہ استعمال ہو کر محض اس اقدام کے معنی میں آیا ہے جو جوابی کارروائی کے طور پر کیا جائے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی حرکتوں سے باز آکر اسلام کی راہ اختیار کریں تو ان کے پچھلے جرائم کی بنا پر ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ ہوگی صرف انہی کے خلاف کوئی اقدام ہوگا جو اپنے کفر و شرک اور ظلم و عدوان پر جمے رہ جائیں۔

اسی سورہ میں آگے فرمایا:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا	پس جو تم پر زیادتی کریں تم بھی ان کی زیادتی
عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ	کے جواب میں اسی کے برابر ان کو جواب
(البقرہ: ۱۹۴)	دو۔

اس آیت میں کسی زیادتی کے جواب میں جو اقدام کیا جائے اس کو بھی "اِعْتِدَاء" کے لفظ سے تعبیر فرمایا حالانکہ وہ محض اقدام اور جوابی کارروائی کے معنی میں ہے صرف ماسبق کے ساتھ صوتی ہم آہنگی کی وجہ سے اس لفظ کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔

اس اسلوب کی چوتھی مثال سورہ شوریٰ کی آیت ۴۰ ہے۔ فرمایا:۔

وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا	برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی
فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ	معاف کردے اور اصلاح کرے اس کا اجر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عَلَی اللّٰہِ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ	اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ ظالموں کو پسند
الظّٰلِمِیْنَ o (شوریٰ : ۴۰)	نہیں کرتا۔

یہاں کسی برائی کے جواب میں جو اقدام کیا جائے اسے بھی برائی کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ برائی کا جواب دینا اور انتقام لینا جائز ہے بشرطیکہ حد سے تجاوز نہ ہو لیکن اسے بھی برائی کہنا محض لفظی مجانست اور صوتی ہم آہنگی کی وجہ سے ہے۔ یعنی اہل ایمان کسی برائی کے جواب میں اتنی ہی کارروائی کرتے ہیں جو برائی کے ہم وزن ہو۔ ایسا نہیں ہوتا کہ وہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیں۔

۳۔ نہی کے ساتھ قید

یہ قرآنِ پاک کا ایک اہم اسلوب ہے جس سے ناواقفیت ایک طالب علم کو بڑی الجھن میں ڈال دیتی ہے۔

نہی کے ساتھ جو قید لگی ہوتی ہے اس کا مقصود صورت حال کا اظہار اور واقعہ کے گھناؤنے پن کو نمایاں کرنا ہوتا ہے قید اس کے ساتھ محض اس لیے بڑھادی جاتی ہے تاکہ وہ صورت حال سامنے آجائے جو اس کے ارتکاب میں مضمر ہے۔ مثال کے طور پر سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت کو دیکھئے۔

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا	اور میں نے جو کتاب بھیجی ہے اس پر
لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا	ایمان لاؤ۔ یہ اس کتاب کی تائید میں ہے جو
اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا	تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی لہٰذا سب سے
بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ	پہلے تم ہی منکر نہ بن جاؤ اور تھوڑی قیمت پر
(البقرہ : ۴۱)	میری آیات نہ بیچ ڈالو اور میرے ہی غضب سے بچو

اس آیت میں وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ کا ٹکڑا قابل غور ہے۔ یہاں یہ کہنا مقصود نہیں ہے کہ جب دوسرے کفر کریں تب تمہارے لیے (اہل کتاب مراد ہیں) کفر کرنا جائز ہو جاتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب قرآن تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہوئی نازل ہوئی ہے اور اس پر ایمان لانے کا تم سے عہد لیا جاچکا ہے اس وجہ سے اس کو قبول کرنے اور اس پر ایمان لانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سب سے پہلے تم ہی سے توقع کی جاسکتی تھی لیکن یہ عجیب صورتِ حال ہے کہ دوسرے تو اس سے ناآشنا ہونے کے باوجود اس پر ایمان لانے میں سبقت کریں اور تم اس سے پہلے سے آشنا ہو کر اس کی مخالفت کی راہ میں پہل کرو۔

اسی طرح وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر اچھے دام مل جائیں تو کتاب الٰہی کی آیات کا سودا کر سکتے ہو۔ بلکہ نہی کا تعلق یہاں بھی فعل سے ہے، یعنی رد کا جس چیز سے گیا ہے وہ دین فروشی ہے لیکن ثَمَنًا قَلِیْلًا کی قید نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ دین فروشی کا یہ کاروبار نہایت ذلیل طریقے سے ہو رہا ہے کیونکہ اللہ کی آیات کے بدلے میں اگر تمام دنیا بھی حاصل ہو جائے تو وہ بہرحال ایک متاعِ حقیر ہی ہے۔[۱]

اسی سورہ میں آگے صدقہ و انفاق کی ایک حد یہ بتائی گئی ہے کہ یہ ان فقرا اور مستورین کے لیے ہے جو کسی دینی مقصد کی خاطر کسبِ معاش کی جدوجہد سے عاجز ہوں۔ فرمایا:۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُہُمُ الْجَاہِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُہُمْ بِسِیْمٰہُمْ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِہٖ عَلِیْمٌ ۝ (بقرہ: ۲۷۳)	یہ ان غریبوں کے لیے ہے جو خدا کی راہ میں گھرے ہوئے ہیں، زمین میں کاروبار کے لیے نقل و حرکت نہیں کر سکتے۔ بے خبر ان کی خودداری کے سبب ان کو غنی خیال کرتا ہے، تم ان کو ان کی صورت سے پہچان سکتے ہو، وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے اور جو مال بھی تم خرچ کرو گے تو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

---

[۱] اسی مفہوم کو سورہ مائدہ کی آیت ۴۴ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق یہود کے معاملات کے فیصلے کرتے رہے وہ انبیا جنھوں نے خدا کی فرمانبرداری کی اور ربّانیوں اور علماء نے بھی اسی کے مطابق فیصلے کیے کیونکہ وہ کتاب الٰہی کے امین بنائے گئے تھے اور اس کے گواہ ٹھہرائے گئے تھے تو تم لوگوں سے نہ ڈرو، صرف مجھی سے ڈرو۔ اور میری آیات کو حقیر قیمت کے عوض نہ بیچو۔"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہاں اِلحاف کے معنی لپٹ کر سوال کرنے کے ہیں۔ اس ٹکڑے میں اصل مقصود سوال کرنے کی نفی ہے۔ اِلحافاً کی قید محض سوال کرنے والوں کی عام حالت کے اظہار کے لیے ہے کہ بھلا جو لوگ اتنے خوددار ہیں کہ جو ان کے حال سے بے خبر ہو وہ ان کو غنی سمجھتا ہے، وہ گداگروں اور بھک منگوں کی سی حرکت کس طرح کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ان کی اسی خودداری کی وجہ سے قرآن نے اہل انفاق کو ان کا سراغ دینے کے لیے ان کی پہچان یہ بتائی ہے کہ ان کو صرف چہرے بشرے سے پہچان کر ڈھونڈھنے کی کوشش کرو اور ان کے پاس خود پہنچو۔ یہ توقع نہ رکھو کہ عام گداگروں کی طرح یہ لوگ تمہارے پیچھے پیچھے بھاگیں گے۔

اس اسلوب کی ایک مثال سورہ آل عمران میں بھی ہے۔ فرمایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا	(اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ بڑھتا
الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ	چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے
وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○	ڈرو۔ امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔)

(آل عمران: ۱۳۰)

یہاں نہی کے ساتھ اَضعافاً مضاعفۃً کی جو قید لگی ہوئی ہے اس سے مقصود یہ نہیں ہے کہ اسلام میں ممنوع صرف سود در سود ہے بلکہ یہ قید محض صورتِ حال کی تصویر اور اس کے گھنونے پن کے اظہار کے لیے ہے۔

یعنی یہ کس قدر ذلت اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے کہ جو غریب فقر و فاقہ سے مر رہے ہیں جن کے بیوی بچے نان جویں کو محتاج ہیں انھیں یہ یہودی و قریشی ساہوکار اور مہاجن لوٹ رہے ہیں اور ان کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انھیں سود در سود قرض دینے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے ہیں تو اے ایمان لانے والو، تم اس مکروہ اور پست حرکت سے دور رہو اور اس ناپاک میدان میں اضعافاً مضاعفۃً کی غلاظت کا انبار جمع کرنے کے بجائے اس جنت کے لیے بازیاں لگاؤ جس کی پہنائی آسمان و زمین کے برابر ہے۔

سورہ نور میں اسی اسلوب کی بلاغت ملاحظہ فرمائیے:۔

وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى	اور اپنی لونڈیوں کو اپنے دنیوی فائدوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اَلْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا — کی خاطر قحبہ گری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں۔

(نور: ۳۳)

یہاں یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر لونڈیاں نکاح کی قید میں آنا چاہیں تو ان سے زنا نہ کرو لیکن اگر وہ قیدِ نکاح میں آنے کو تیار نہ ہوں تو ان کو قحبہ گری پر مجبور کیا جا سکتا ہے بلکہ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا (اگر وہ خود پاک دامن رہنا چاہتی ہوں) کی شرط سے مقصود صرف حال کی تصویر اور اس کے نفرت انگیز ہونے کا اظہار ہے۔

جب اسلام نے زنا پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا اور غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کی ہدایت فرمائی[۱۱] تو قدرتی طور پر لونڈیوں کے اندر بھی ایک عام احساس بیدار ہوا کہ وہ اپنے اخلاقی معیار کو اونچا کریں اور ان میں سے جو اپنے مالکوں کے دباؤ کی وجہ سے پیشہ کراتی تھیں وہ خواہش مند ہوئیں کہ یہ حرام پیشہ چھوڑ کر پاکدامنی کی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اور چکلوں کے مالکوں[۱۲] کو تنبیہ فرماتے ہوئے کہا کہ اب ان لڑکیوں کو جبکہ وہ زنا سے توبہ کر کے پاکدامنی کی زندگی اختیار کرنا چاہتی ہیں بدکاری پر مجبور نہ کرو۔

یہی اسلوب سورہ بنی اسرائیل میں استعمال ہوا ہے[۱۳] جہاں مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے وہاں بھی خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ کی قید محض اس کے گھنونے پن کو ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ یعنی اپنی اولاد کو قتل کرنے کا کام محض فقر و فاقہ اور مفلسی سے بچنے کے لیے کیا جا رہا

۱۱؎ نور: ۳۲ "تم میں سے جو لوگ مجرد ہوں اور تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو صالح ہوں ان کے نکاح کر دو"۔ ۱۲؎ روایات میں آتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں باقاعدہ چکلے قائم تھے جہاں قحبہ گری کا کاروبار بڑے زور و شور سے ہوتا تھا۔ وہ لوگ اپنی لونڈیوں سے پیشہ کراتے تھے اور ان کی آمدنی سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ ان میں سے بعض دورِ اسلام میں بھی خفیہ طور سے یہ کاروبار چلا رہے تھے چنانچہ تاریخوں میں یہ ذکر موجود ہے کہ مشہور منافق عبداللہ بن اُبَیّ نے ایک چکلہ قائم کر رکھا تھا۔ ۱۳؎ بنی اسرائیل: ۳۱ "اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو۔ ہم انھیں بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے جبکہ رزاق والدین نہیں بلکہ وہ خدا ہے جو اولاد اور والدین دونوں کو روزی دیتا ہے۔

۴۔ تصریف

اس لفظ کے لغوی معنی گردش دینے اور ہیر پھیر کر بیان کرنے کے ہیں۔ قرآن پاک کا ایک اہم اسلوب یہ ہے کہ وہ آیتوں کو الٹ الٹ کر مختلف زاویوں سے بیان کرتا ہے۔ اس کے لیے اس نے تصریف آیات کا لفظ استعمال کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مضمون مختلف سورتوں میں بار بار آتا ہے لیکن ہر جگہ ایک ہی پیش وعقب اور ایک ہی قسم کے لواحق وتضمنات کے ساتھ نہیں آتا بلکہ ہر جگہ اس کے اطراف وجوانب اور اس کے تعلقات وروابط بدلے ہوئے ہوتے ہیں، مقام کے لحاظ سے اس میں مناسب حال تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ ایک ہی چیز کبھی مرکزی مضمون کی حیثیت سے آتی ہے کبھی ضمنی مضمون کی حیثیت سے، کبھی وہی چیز اجمال کے ساتھ آتی ہے کبھی تفصیل کے ساتھ، کبھی ایک چیز مقدم ہوتی ہے کبھی موخر، کبھی تنہا ہوتی ہے کبھی اپنے مقابل کے ساتھ، کبھی کسی چیز کے ساتھ اس کا جوڑ ہوتا ہے کبھی کسی چیز کے ساتھ۔ بالکل یکساں مضمون مختلف سورتوں میں مختلف ترتیبوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں ظاہر ہے کہ جب ایک ہی شے اپنے مختلف پہلوؤں سے جلوہ گر ہوگی تو اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے اور پوری طرح پہچاننے میں دقت نہ ہوگی اگر ایک ادا نگاہ سے چوک گئی تو دوسرا جلوہ سامنے آجائے گا[۱۶] قرآن پاک نے خود بھی اس تصریف کا مقصد یہی بتایا ہے کہ تاکہ لوگ سمجھ سکیں اور اس کی آیات پر غور کر سکیں۔ فرمایا

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (الانعام:۶۵)

دیکھو کس کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں۔

اس آیت کے سیاق وسباق پر غور کرنے سے تصریف کی حقیقت بالکل آشکارا ہو جاتی ہے۔ کہا یہ جارہا ہے کہ انسان کا عجیب حال ہے کہ جب کسی آفت میں گرفتار ہوتا ہے تو گڑگڑا کر بھی اور دل میں چپکے چپکے بھی خدا ہی کو پکارتا ہے لیکن جب اس سے نجات

---

[۱۶] فراہی، حمید الدین: مقدمہ تفسیر نظام القرآن ص: ۴۸، ۴۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پا جاتا ہے تو پھر ناشکری و نافرمانی کی وہی زندگی اختیار کر لیتا ہے جس میں پہلے مبتلا تھا یہاں تک کہ اگر خدا کی پکڑ سے اسے ڈرایا جاتا ہے تو ڈھیٹ ہو کر عذاب کا مطالبہ کر بیٹھتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ دیکھو کس طرح ہم اپنی قدرت کی نشانیاں اور اپنے اختیار و تصرف کی دلیلیں مختلف اسلوبوں سے ہیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ اسے یہ سمجھیں لیکن یہ سمجھنے کے بجائے ہمارا عذاب ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی سورہ میں ذرا پہلے اسی بات کو یوں کہا گیا ہے:

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ

دیکھو، کس کس طرح ہم اپنی آیتیں مختلف پہلوؤں سے پیش کرتے ہیں، پھر بھی وہ اعراض کر رہے ہیں۔ (الانعام: ۴۶)

قرآنِ پاک نے تصریف کا لفظ ہواؤں کے لیے بھی استعمال کیا ہے اور ان کے حیرت انگیز اثرات و تصرفات کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے اور فرمایا ہے کہ ہوائیں اپنے رب کے حکم کے مطابق تقسیم امر کرتی ہیں۔ بعض زمینوں کو جل تھل کر دیتی ہیں۔ بعض کو نیم تشنہ اور بعض کو خشک چھوڑ جاتی ہیں اور اگر حکم الٰہی ہو تو بعض علاقوں پر وہ طوفان و سیلاب بن کر نازل ہوتی ہیں اور پورے کا پورا علاقہ ان کی زد میں آ کر تباہ ہو جاتا ہے۔ ٹھیک یہی حال آیات الٰہی کا ہے یہ آیات کسی کے حق میں مژدہ جانفزا ہوتی ہیں اور کسی کے لیے عذاب کا تازیانہ بن جاتی ہیں[۱۵] سورہ مرسلات میں فرمایا:

"شاہد ہیں ہوائیں جن کو باگ چھوڑ دی جاتی ہے پس وہ طوفانی رفتار سے چلتی ہیں اور شاہد ہیں ہوائیں پھیلانے والی (بادلوں کو) پھر وہ معاملہ کرتی ہیں جدا جدا، پھر ڈالتی ہیں یاددہانی اتمام حجت کے طور پر یا آگاہ کر دینے کو، بے شک جو وعدہ تم

۱۵؎ سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت اس باب میں نہایت جامع ہے فرمایا "بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت رات اور دن کی گردش اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں لوگوں کے نفع کی چیزیں لے کر چلتی ہیں اور اس پانی میں جو اللہ نے آسمان سے اتارا پس اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کر دیا اور اس میں ہر قسم کے جاندار پھیلائے اور ہواؤں کی گردش میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں ان لوگوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لینے والے ہیں" (البقرہ: ۱۶۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کیا جارہا ہے وہ شدنی ہے"[16] (مرسلات: ۱ تا ۷)

پورے قرآن میں اصلاً تین چیزوں کی دعوت دی گئی ہے اور انھیں مختلف اسلوبوں اور پیرایوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے کلام کی دلکشی اور جاذبیت بڑھ گئی ہے اور کہیں بھی تکرار کا عیب پیدا نہیں ہونے پایا ہے:

(۱) توحید (۲) معاد (۳) رسالت

قرآن نے ان ہی تینوں چیزوں کو مختلف انداز سے بار بار اس طرح دہرایا ہے کہ ہر جگہ یہ مستقل اور نئے مضامین معلوم ہوتے ہیں۔

مثال کے طور پر عقیدۂ توحید کو لیجئے۔ کہیں قرآن نے اسے انسانی فطرت کی پکار کہا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ توحید انسان کے دل کی آواز اور عین تقاضائے فطرت ہے۔ شرک اس کے خلاف ہے۔[17] کہیں اس پر اس حیثیت سے گفتگو کی ہے کہ یہ تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت رہی ہے اور ان سب نے اپنے اپنے زمانے میں توحید ہی کی طرف لوگوں کو بلایا ہے[18] کہیں مشرکین کے اپنے نفس کی شہادت سے استدلال کیا گیا ہے کہ جب کوئی سخت وقت آتا ہے اور انھیں موت یا تباہی سامنے کھڑی نظر آنے لگتی ہے تو وہ اپنے سب بناوٹی معبودوں کو بھول جاتے ہیں اور صرف اللہ ہی سے مدد کی دعا مانگتے ہیں[19]۔ کہیں کائنات کے پورے نظام سے توحید کے

---

[16] نیز دیکھئے سورہ ذاریات: ۱ تا ۶۔ ہواؤں کے تصرفات کی شہادت گوناگوں پہلوؤں سے دیکھنا ہو تو ملاحظہ کیجئے (۱) فراہی حمید الدین، تفسیر سورہ ذاریات (۲) اصلاحی امین احسن، تدبر قرآن جلد ششم ص ۵۸۶ تا ۵۸۹ نیز جلد ششم ص ۱۲۱، ۱۳۲

[17] روم: ۳۰ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۚ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی "قائم ہو جاؤ اس فطرت پر جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جا سکتی یہی بالکل راست اور درست دین ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں"۔

[18] نمل: ۳۶۔ انبیاء: ۲۵ — بیّنہ: ۵ — یوسف: ۳۹، ۴۰ — مائدہ: ۷۲ — انعام: ۷۴ تا ۸۱ — ابراہیم: ۳۵، ۳۶۔

[19] انعام: ۴۰، ۴۱ — یونس: ۲۲ [illegible]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حق میں زبردست دلائل دیے گئے ہیں اور یہ ثابت کیا گیا ہے کہ اس سارے عالم ہست و بود کا خدا ایک ہی ہے[۲۰]۔ کہیں خدا کے بے شمار احسانات اور بے پایاں نعمتوں کا تذکرہ کر کے انسان کے جذبہ عبودیت کو مہمیز کیا گیا ہے اور اسے اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہی خدا کو اپنی محبتوں اور اطاعتوں کا مرکز بنائے[۲۱]۔ غرض یہ کہ مختلف پیرایوں میں بات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے اور کہیں بھی عبارت اور کلام میں تکرار کا عیب پیدا نہیں ہوا ہے نہ ثقالت اور غیر ضروری طوالت کا احساس ہونے پایا ہے بلکہ ہر بیان کی نوعیت دوسرے بیانات کی نوعیت سے مختلف دکھائی دیتی ہے اور ع کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست کا مصداق ہے۔

تخلیص

اس اسلوب کو اردو شاعری کی اصطلاح میں گریز کہا جا سکتا ہے۔ یعنی بات میں سے بات پیدا کرنا، ایک مضمون بیان کرتے کرتے بیچ میں کوئی موقعہ کی ہدایت و نصیحت یا واقعہ بیان کر کے اصل موضوع کی طرف پلٹ آنا، اس کو امام ابن قیم جوزیؒ نے 'تخلّص' یا "انتقال من فنٍ الی فنٍ" کہا ہے۔

یہ اسلوب بڑی مہارت اور حسن بلاغت کا متقاضی ہے۔ مضمون کا رخ تھوڑے سے وقفہ کے بعد پھر اسی اصل مواد کی طرف پلٹا دیا جائے اور یہ تھوڑا سا عرصہ اس طرح نکالا جائے اور اصل مضمون سے اس کا تعلق اس طرح جوڑ دیا جائے کہ درمیان میں کوئی بے ربطی کسی قسم کا جھول اور کوئی بیگانگی پیدا نہ ہو۔

سورہ مومنون کا مطالعہ کیجئے۔ ابتدا اہل ایمان کی فلاح اور حق کی تکذیب کرنے والوں کے خسران کے اعلان سے ہوتی ہے جس میں خدا کی ربوبیت کے شواہد سے جزا و سزا پر استدلال بھی شامل ہے اور یہ سلسلہ آیت ۲۲ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ (اور ان (جانوروں) پر

---

[۲۰] بقرہ: ۲۱، ۲۲ — روم: ۲۰ تا ۲۷ — یٰسٓ: ۳۳ تا ۴۴ — حدید: ۳ تا ۶ — انعام: ۹۵ تا ۹۸ مومنون: ۹۰ [۲۱] نمل: ۶۰ تا ۶۴ — فرقان: ۱ تا ۳ — نحل: ۵ تا ۷۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کشتیوں پر سواری بھی کرتے ہو) پر ختم ہوتا ہے۔ آگے مکذبین کے خسران اور مومنین کی فلاح پر تاریخی شواہد کا سلسلہ شروع ہوتا ہے تو سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا تذکرہ ہوتا ہے جو تاریخی تقدم کے اعتبار سے بھی رسولوں کی سرگزشت کا سرنامہ ہے اور خاص طور پر کشتی ہی کو ان کی اور ان کے ساتھیوں کی نجات کا اللہ تعالیٰ نے ذریعہ بنایا۔ کشتی کے ذکر کے بعد اس کشتی والے کے واقعہ کا ذکر اس طرح آگیا ہے گویا بات میں سے بات پیدا ہوگئی ہے فرمایا:

"اور ان (جانوروں) پر اور کشتیوں پر سواری بھی تم کرتے ہو۔ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا اس نے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، اس کے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں ہے کیا تم ڈرتے نہیں ہو"۔
(مومنون: ۲۲،۲۳)

تاریخی شواہد کے بعد آیت ۵۰ سے پھر اصل مضمون شروع ہو گیا ہے۔

سورہ انبیاء آیات ۳۰ تا ۳۲ کا مطالعہ بھی اس اسلوب کو سمجھنے کے لیے مفید ہوگا۔ یہاں توحید معاد اور جزا پر آفاق سے دلائل فراہم کئے گئے ہیں اور انسانوں کو دعوتِ فکر دی گئی ہے فرمایا، ہم نے زمین میں پہاڑ گاڑ دیے جو اس کے توازن کو قائم رکھے ہوئے ہیں کہ مبادا وہ ان کے سمیت کسی سمت کو لڑھک کر کسی اور کرہ سے جا ٹکرائے اور یہ اہتمام بھی کیا کہ ان پہاڑوں کے درمیان درّے بھی بنائے کہ وہ لوگوں کے راستے کا کام دیں اور وہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ اور ایک ملک سے دوسرے ملک کو آجا سکیں، اگر خدا نے ایسا نہ کیا ہوتا تو لوگ اپنے اپنے علاقوں ہی کے اندر بند ہو کر رہ جاتے اور کسی کے امکان میں بھی نہ ہوتا کہ وہ سفر اور تجارت کی راہیں کھول سکے۔ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر پہاڑوں کے اصل مقصد تخلیق کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ خدا نے اپنی یہ عظیم نشانیاں اسی لیے نمایاں فرمائیں کہ ان کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں کھلیں، ان پر پہاڑوں کے خالق کی قدرت عظمت اور حکمت کی شان واضح ہو اور وہ خدا تک پہونچ سکیں۔

"اور ہم نے زمین میں پہاڑ جما دیے تاکہ وہ انھیں لے کر ڈھلک نہ جائے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس میں کشادہ راہیں بنا دیں تاکہ لوگ (خدا کی طرف) رہنمائی حاصل کر سکیں"۔
(انبیاء : ۳۱)

سورہ قٓ میں اسی بات کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

" اور زمین کو ہم نے بچھایا اور اس میں پہاڑ لنگر انداز کر دیے اور اس میں نوع بنوع کی خوش منظر چیزیں اگائیں ہر متوجہ ہونے والے بندے کے اندر بصیرت اور یاد دہانی پیدا کرنے کے لیے" (قٓ : ۷، ۸)

انبیاء کی مندرجہ بالا آیت میں اصل مقصد تخلیق کی طرف اشارہ کر کے اگلی آیت سے پھر اصل مضمون شروع کر دیا گیا اور زمین کی نشانیوں کے بعد آسمان کی نشانیوں پر توجہ دلائی گئی۔

سورہ نحل کی مندرجہ ذیل آیات بھی اس اسلوب کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں:

" اس نے جانور پیدا کئے جس میں تمہارے لیے پوشاک بھی ہے اور خوراک بھی، اور طرح طرح کے دوسرے فائدے بھی۔ ان میں تمہارے لیے جمال ہے جبکہ تم انھیں چرنے کے لیے بھیجتے ہو اور جبکہ شام انھیں واپس لاتے ہو۔ وہ تمہارے لئے بوجھ کو ڈھو کر ایسے مقامات تک لیجاتے ہیں جہاں تم سخت جانفشانی کے بغیر نہیں پہونچ سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔ اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہاری زندگی کی رونق ہیں۔ اور وہ بہت سی ایسی چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ ہی کے ذمہ ہے سیدھا راستہ بتانا جبکہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا" (نحل: ۵تا۹)

دیکھئے کس خوبصورتی کے ساتھ تخلص سے کام لے کر مقصد تخلیق اور ہدایت و رہنمائی کی طرف بیچ میں اشارہ کر دیا۔ فرمایا کہ خدا کی یہ نوازشیں اور انعامات ہیں جن کا تقاضا یہ تھا کہ انسان ان کی قدر کرے اور اپنے منعم حقیقی کا شکریہ ادا کرے اور اسکے حقوق میں دوسروں کو شریک نہ کرے۔ توحید کی سیدھی راہ خدا تک پہنچاتی ہے۔ اس کے بعد آیت ۱۰ سے پھر اصل مضمون کا سلسلہ شروع کر دیا اور ماقبل سے بڑی خوبصورتی کے ساتھ جوڑ دیا۔[۲۲]

۲۲ھ اس اسلوب کو مزید سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو: زخرف: ۱۰تا۱۴۔ سورہ شعراء: ۷تا۸۔ نحل: ۱۴، ۱۵

© rasailojaraid.com